قرآن کی ایک جدید حکیمانہ تعبیر کی ضرورت واہمیت

از قلم : ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

(گزشتہ سے پیوستہ)

یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ انسان کی فطرت کے ابدی اور کلی قوانین پر مشتمل ہے اور دوسرا حصہ ان قوانین کے مطابق انسان کی عملی زندگی کی تشکیل پر حاوی ہے۔ پہلا حصہ غیر مبدل ہے' اگرچہ ہر دور میں اس کا کامل اظہار نہ ضروری تھا اور نہ ممکن۔ دوسرا حصہ معاشرہ کے حالات کے مطابق ہمیشہ بدلتا رہا ہے۔ پہلا حصہ اعتقادات سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا حصہ اعمال سے۔ پہلا حصہ دوسرے حصہ کی بنیاد ہے۔ پہلا حصہ دین کی اصل یا اساس ہے اور دوسرا حصہ اس کی فرع یا اس کا نتیجہ ہے۔ یہی سبب ہے کہ پہلے غیر مبدل حصہ کو قرآن دین یا دینِ قیم کہتا ہے۔ "فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا' فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا' لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ' ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ" اور اسی کو وہ "اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ" (پختہ نشانات) اور "اُمُّ الْكِتٰبِ" (کتاب کی اصل یا اساس) کہتا ہے۔ "هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ"۔ اسلام کے اسی حصہ کی بنیادی حیثیت کی وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں کہ تمام انبیاء کی تعلیم' خواہ وہ کسی زمانہ میں اور کسی خطۂ ارض میں پیدا ہوئے ہوں' ایک وحدت ہے۔ تاہم اسلام کے اس حصہ کے تمام ضروری عناصر' جن میں سیاسی اور جماعتی زندگی بھی داخل ہے' زمانہ کے تقاضوں کے باعث سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں نمودار ہوئے ہیں اور اسی لئے حضور خاتم النبیین ہیں۔ اسلام کے اس حصہ کی اہمیت یہ ہے کہ جو شخص اس حصہ پر یقین نہ رکھ سکے وہ دوسرے حصہ کو نظر انداز کرنے پر مجبور ہوتا ہے

© rasailojaraid

اور جو شخص اس حصہ کو ٹھیک طرح سے نہ سمجھ سکے وہ دوسرے حصہ کو بھی ٹھیک طرح سے نہیں سمجھ سکتا اور نہ اس پر ٹھیک طرح سے عمل کر سکتا ہے۔ گویا نہ صرف پورے اسلام کی صحیح تشریح اور تفہیم بلکہ اس کی تعمیل اس حصہ کی صحیح تشریح اور تفہیم پر منحصر ہے۔ چونکہ اسلام کے اس حصہ پر ہمارا یقین مضمحل ہو گیا ہے لہٰذا ہم عمل سے محروم ہیں اور پیہم انحطاط اور زوال کی راہ پر جا رہے ہیں۔ جب ہم اس حصہ پر یقین کرنے لگیں گے تو ہم میں پھر عمل کی قوت پیدا ہوگی اور ہم ترقی اور عروج کی طرف مائل ہوں گے۔ اسلام کا یہی حصہ ہے جو ایک نظامِ حکمت یا سائنس کی شکل اختیار کر سکتا ہے اور اختیار کر رہا ہے اور یہی وہ حصہ ہے جس کی معقولیت فلسفہ اور سائنس کے انکشافات کی وجہ سے روز بروز زیادہ آشکار ہو رہی ہے اور متواتر آشکار ہوتی رہے گی۔ لہٰذا قارئین نوٹ فرمائیں کہ اوپر کے صفحات میں جہاں جہاں میں نے اسلام کے نظامِ حکمت کا ذکر کیا ہے وہاں اسلام سے میری مراد اسلام کا یہی حصہ ہے۔

اسلام کا نظامِ حکمت جس کا خاکہ اس کتاب میں دیا گیا ہے فطرتِ انسانی کا فلسفہ ہے اور چونکہ انسان کی اصل انسان کا شعور یا خود شعوری ہے جسے اقبال نے اور مختصر کر کے خودی کہا تھا لہٰذا ہم اسے فلسفۂ شعور' فلسفۂ خود شعوری یا فلسفۂ خودی کہہ سکتے ہیں۔ پھر چونکہ انسان کی خودی کے تمام خواص اور اوصاف اس کی اس مرکزی خاصیت سے پیدا ہوتے ہیں کہ وہ ایک نصب العین سے محبت کرتی ہے اور اسی سے اپنا نظریۂ حیات اخذ کرتی ہے لہٰذا ہم اسے نصب العینوں کا فلسفہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ وہی فلسفہ خودی ہے جس کا آغاز اقبال نے کیا تھا لیکن اس کتاب میں یہ فلسفہ نصب العینوں کے فلسفہ کی صورت میں اپنی تنظیم اور تکمیل کو پہنچا ہے۔ چونکہ خودی کی مختصر اصطلاح جو اقبال نے استعمال کی ہے بعض لوگوں کے لئے غلط فہمیوں کا باعث ہوئی ہے لہٰذا میں اس کتاب میں خودی کی بجائے خود شعوری کی اصطلاح' جو اول الذکر اصطلاح کی نسبت زیادہ بیّن اور زیادہ مفصل ہے' کام میں لایا ہوں۔ لیکن جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں خودی اور خود شعوری مترادف الفاظ ہیں اور ان سے مراد وہ شعور ہے جو اپنے آپ سے واقف ہو۔

یہ بات نہایت اہم ہے کہ ہم فیصلہ کریں کہ اسلام کی مختلف تعبیرات اور تشریحات میں

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

سے جو اِس وقت پیش کی جارہی ہیں اور جن کی بنا پر اِس وقت اسلام کے اندر بہت سی دینی تحریکیں وجود میں آچکی ہیں کون سی تعبیر یا تشریح صحیح ہے۔ یہ کہنا کافی نہیں کہ صحابہؓ نے اس بات کا فیصلہ اپنے اس اعلان سے کردیا تھا کہ "حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ" (ہمیں خدا کی کتاب کافی ہے) لہٰذا جو بات قرآن کے مطابق ہے وہ صحیح ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا فیصلہ اپنے اس ارشاد سے کردیا تھا کہ "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِی" (برسرِ حق گروہ وہ ہوگا جو میرے اور میرے ساتھیوں کے راستہ پر ہوگا) کیونکہ ہر شارع دین یہی کہتا ہے کہ صرف اسی کی تشریح قرآن مجید اور طریقِ رسولؐ وصحابہؓ کے مطابق ہے۔

ہر شارع دین نقل کو اپنی عقل سے سمجھتا ہے اور اپنی عقل کا رنگ اس پر چڑھاتا ہے، اگرچہ وہ خود زبانی طور پر اس بات سے انکار کرتا رہے اور فی الواقع جانتا بھی نہ ہو کہ وہ نقل پر اپنی عقل کا رنگ چڑھا رہا ہے اور ایسا کرنا درحقیقت ہر شارع دین کے لئے ایک قدرتی بات ہے اور اس سے گریز قطعاً ممکن نہیں۔ اسلام کی تمام تشریحات نقل کی عقلی تشریحات ہیں۔ پس جب عقل لامحالہ نقل کے راستہ میں آتی ہے اور نقل لازماً عقل کی ترجمانی چاہتی ہے تو پھر دیکھنا پڑے گا کہ نقل اور عقل کا کونسا امتزاج اور نقل پر عقل کا کونسا رنگ یعنی اسلام کی کونسی تشریح خطا سے مبرا ہوسکتی ہے۔ اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اسلام کی صحیح اور سچی تشریح کو پرکھنے کے لئے کوئی اصول وضع کریں اور اس کی کوئی خصوصیات معین کریں۔ اس کے بعد ہم آسانی سے کہہ سکیں گے کہ اسلام کی جو تشریح ان اصولوں کے مطابق یا ان خصوصیات سے بہرہ ور ہے وہی صحیح ہے اور باقی سب غلط ہیں۔

خوش قسمتی سے قرآن ہمیں خود بتاتا ہے کہ قرآن کی صحیح اور سچی تشریح کی علامات اور خصوصیات کیا ہوتی ہیں اور اسے کیونکر پرکھا جاسکتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اگر وہ خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو اس میں کثرت سے اختلاف ہوتا۔

لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا

"اگر قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ یقیناً اس کے اندر (بیانیات کا) بہت سا اختلاف پاتے"۔

بیانات کے اختلافات ہمیشہ عقلی اختلافات ہوتے ہیں کیونکہ عقل ہی ان کو معلوم کرتی ہے،

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

لہٰذا ظاہر ہے کہ اس آیت میں اختلاف سے مراد عقلی تضاد ہے۔

قرآن حکیم نے اس دلیل کو پیش کرتے ہوئے درحقیقت اس اصول کی تعلیم دی ہے کہ تمام صداقتوں میں ایک منطقی یا عقلی مناسبت یا ہم آہنگی ہوتی ہے اور وہ عقلی طور پر ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں اور اس باہمی تائید کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ تمام جھوٹی باتوں کی عقلی تردید کرتی ہیں۔ اس کے برعکس کذبات عقلی طور پر تمام صداقتوں کی اور ایک دوسرے کی تکذیب کرتے ہیں۔ اگر ہم کسی ایک صداقت سے دوسری صداقتوں کا سہارا چھین لیں تو وہ صداقت' صداقت نہیں رہتی۔ اور یہ اصول دنیا بھر کی تمام صداقتوں پر حاوی ہے خواہ وہ ظاہری اور لفظی طور پر قرآن کے اندر ہوں یا باہر' اور خواہ وہ کسی نبی پر منکشف ہوئی ہوں یا "اَلَّذِی عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ○" کے ماتحت کسی عام انسان پر ظاہر ہوئی ہوں۔ اگر بعض صداقتیں ایسی ہوں جو لفظاً قرآن کے اندر موجود نہ ہوں اور ہم قرآن کی اندرونی صداقتوں کو ان سے الگ کر کے دیکھیں یا سمجھیں تو ہم لازماً قرآن کے ایک حصہ کی تشریح اس طرح سے کریں گے کہ وہ درحقیقت قرآن ہی کے دوسرے حصوں کے ساتھ متناقض ہو جائے گا اور پھر قرآن کی یہ تشریح غیر قرآنی اور خدا اور رسولؐ کے منشا کے خلاف اور "مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ" ہو گی۔ لیکن اگر ہم قرآن کی کوئی ایسی تشریح کر لیں جس سے قرآن کی اندرونی صداقتوں اور ان صداقتوں کے مابین جو بظاہر قرآن سے باہر ہیں (یہ فرض کرتے ہوئے کہ ان صداقتوں کی ایک کافی تعداد دریافت ہو چکی ہے) کوئی تضاد باقی نہ رہے بلکہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ پوری طرح سے ہمنوا اور ہم آہنگ ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم احکامِ دین کی علتوں اور حکمتوں کے پورے سلسلہ سے آگاہ ہو گئے ہیں اور ہم نے حقیقتِ انسان و کائنات کے تمام اہم ترین مسائل کا حل پیدا کر لیا ہے۔ ایسی صورت میں ہماری تشریح انسان اور کائنات کے ایک مکمل فلسفہ کی صورت میں نمودار ہو گی۔ احکامِ دین کی حکمتیں اور علتیں ارتقاء کی انسانی سطح پر قدرت کے لازوال قوانین اور نفسیاتِ انسانی کے ابدی حقائق کے سوائے اور کچھ نہیں اور وہ ایک سلسلہ کی صورت میں ہیں۔ ہر حکمت کے اندر ایک اور حکمت اور ہر علت کے پیچھے ایک اور علت موجود ہوتی ہے اور

© rasailojaraid.c

حکمتوں اور علتوں کا یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ختم ہوتا ہے جو علّت العلل اور حقیقت الحقائق ہے۔ وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَہٰی۔

اس تجزیہ سے معلوم ہوا کہ بالآخر قرآن کی صحیح اور سچی تشریح وہی ہو گی :

(۱) جو کسی علمی صداقت کے ساتھ متصادم نہ ہو بلکہ ہر زمانہ میں تمام علمی صداقتوں کے ساتھ پوری طرح سے ہمنوا اور ہم آہنگ رہے اور جوں جوں نئی علمی صداقتیں منکشف ہوں وہ اس کے اندر سماتی چلی جائیں۔

(۲) جس کے تمام تصورات ایک دوسرے کے ساتھ عقلی ربط و ضبط رکھتے ہوں اور ایک دوسرے کی عقلی تائید اور توثیق کرتے ہوں۔ یہ اسی صورت ممکن ہو سکتا ہے جب اس کے تمام تصورات قرآن کے مرکزی اور بنیادی تصور یعنی عقیدۂ توحید کے ساتھ عقلی طور پر متعلق ہوں۔

(۳) جو تمام باطل فلسفوں کی مؤثر تردید کرتی ہو۔

(۴) جو کائنات کا ایک مکمل فلسفہ ہو اور حقیقتِ انسان و کائنات کے اہم مسائل کے بارہ میں علمی راہ نمائی کرتی اور صداقت اور سچائی کا راستہ بتاتی ہو۔

(۵) جو علمی تصورات کی خامیوں کو آشکار کر کے انہیں پاکیزہ اور شستہ بناتی ہو۔

(۶) جو ہمیں احکامِ دین کی حکمتوں اور علتوں کے پورے سلسلہ سے آگاہ کرتی ہو اور ان حکمتوں اور علتوں کا ایک ایسا تصور دیتی ہو جس میں اندرونی طور پر کوئی تضاد نہ ہو۔

میرا خیال ہے کہ ترقی یافتہ فلسفۂ خودی یا نصب العینوں کا فلسفہ قرآن کی ایک ایسی تشریح ہے جو ان تمام خصوصیات کی حامل ہے اور للہذا قرآن کی یہ تشریح صحیح ہے اور زود یا بدیر مسلمان اس پر متفق ہوں گے۔ اس زمانہ میں اسلام کی اہم ترین ضروریات میں ایک یہ ہے کہ ہم اجتہاد سے کام لے کر ایک ایسی ہی نئی فقہ کی تدوین کریں جس سے اس زمانہ کے حالات میں ہمارے تمام الجھے ہوئے مسائل کا حل پیدا ہو۔ لیکن اجتہاد اور تدوینِ فقہ کے لئے ضروری ہے کہ ہم پہلے اسلام کی صحیح تعبیر اور احکام دین کی حکمتوں اور علتوں سے پوری طرح واقف ہوں۔ چونکہ نصب العین کا فلسفہ ہماری اس ضرورت کو پورا کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہی فلسفہ آئندہ ہمارے تمام اجتہادات اور ہماری تمام فقہی تحقیقات

© rasailojaraid.com

کی بنیاد ہو گا۔

قرآن کی تشریح کی حیثیت سے نصب العینوں کے فلسفہ کی یہ خصوصیت نہایت اہم ہے کہ وہ انسانی فرد اور جماعت کا ایک ارتقائی تصور پیش کرتا ہے اور ایک ایسے نظریۂ تاریخ کی صورت میں ہے جو شپنگلیر، ٹائنی، کارل مارکس اور ہیگل کے نظریاتِ تاریخ سے زیادہ مقبول اور واضح ہے۔ اس نظریہ کی رو سے حرکتِ ارتقاء کا آخری نتیجہ روئے زمین پر اسلام کا مکمل غلبہ اور ظہور ہے۔

ہم بالعموم اس حقیقت کو نظرانداز کر جاتے ہیں کہ اسلام کے نزدیک انسان ایک جامد اور ناترقی پذیر ہستی نہیں بلکہ وہ ایک خاص روحانی اور اخلاقی منزل کمال کی طرف، جس کی تعیین اور تفہیم اس کی فطرت کے بہترین میلانات اور رجحانات کے اندر بالوضاحت موجود ہے، پیہم ترقی کر رہا ہے۔ اور جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ جس ذات پاک نے قرآن نازل کیا ہے یہ حقیقت بنحوائے آیۂ پاک "لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ" (بلاشبہ تم ایک سطح سے دوسری سطح پر قدم رکھتے ہوئے ترقی کرتے جاؤ گے) اس کے مدِ نظر تھی تو ہم مجبور ہوتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی توجیہہ اور تعبیر اور احکامِ قرآنی کی تشریح اور تفسیر اس طرح سے کریں کہ اس حقیقت کے ساتھ متصادم نہ ہو۔ اس تصادم کو رفع کرنے کے لئے ہمیں یہ اصول مدِ نظر رکھنا چاہئے کہ احکامِ دین کی جو تعبیر نوع بشر کو اس کی منزلِ کمال کی طرف ترقی کا موقع دیتی ہے وہ خود قرآن کی رو سے قرآن کے منشا کے عین مطابق ہے اور صحیح ہے اور دوسری تمام تعبیرات غیر قرآنی اور غلط ہیں۔

یہ زمانہ نصب العینوں کا زمانہ ہے کیونکہ اس زمانہ میں انسان کے نصب العینوں نے یہاں تک ترقی حاصل کر لی ہے کہ وہ اس کی جبلی اور حیوانی خواہشات سے صاف طور پر الگ نظر آ رہے ہیں اور علمی اور عقلی نظریات یعنی فلسفوں کی صورت میں نمودار ہو گئے ہیں۔ ہر قوم اپنی سیاسی زندگی کو جو بالآخر اس کی ساری زندگی کا محور ہوتی ہے ایک فلسفہ کی بنیادوں پر استوار کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ اشتراکیت ایک فلسفہ ہے اور ہٹلر نے اشتراکیت کے مقابلہ میں جرمنوں کے لئے جو نیشنل سوشلزم کا نظریۂ حیات ایجاد کیا تھا اسے اپنی کتاب میں ایک فلسفہ کی شکل دینے کی کوشش کی تھی۔ مسولینی نے بھی فاشزم کی بنیاد اطالوی فلسفی

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کروچے کے فلسفہ پر رکھی تھی اور بھارت کے لوگ دنیا کو بتاتے ہیں کہ ان کی ریاست گاندھی کے فلسفہ پر مبنی ہے۔ اسی طرح سے امریکن اور دوسری جمہوریت پرست قومیں اب جمہوریت کو ایک طرز حکومت کے طور پر نہیں بلکہ انسان اور کائنات کے ایک فلسفہ کے طور پر پیش کرتی ہیں لیکن جس قدر نصب العین بلند اور واضح ہوتے جا رہے ہیں اور عقل اور علم کا لباس پہنتے جا رہے ہیں..... اسی قدر نصب العینوں کی باہمی جنگ بھی زیادہ شدید اور زیادہ تباہ کن ہوتی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ اس جنگ کی وجہ سے اب یہ سمجھا جا رہا ہے کہ کرۂ ارض پر انسان کی بقا خطرہ میں پڑ گئی ہے۔

تاہم اِس وقت نوعِ بشر وجدانی طور پر محسوس کر رہی ہے کہ رائج الوقت نصب العینوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو بے نقص ہو اور عقلی نقطۂ نظر سے کامل طور پر درست اور تسلی بخش ہو۔ نیز اسے یہ بھی محسوس ہو رہا ہے کہ اخلاقی اور روحانی زندگی کی سچی خواہش ہی موجودہ خطرناک صورت حال کا علاج ہے۔ گویا نوعِ بشر ایک ایسے فلسفہ حیات کی منتظر ہے جو ایک فلسفہ کی حیثیت سے کامل طور پر معقول اور مدلّل ہونے کے باوجود ایک مذہب بھی ہو اور ایک ایسے مذہب کی متلاشی ہے جو سچی اخلاقیت اور روحانیت کا علمبردار ہونے کے باوجود ایک معیاری عقلیت کا فلسفہ بھی ہو۔ صرف اسی قسم کا ایک فلسفیانہ مذہب یا مذہبیانہ فلسفہ ہی اپنی روحانیت اور عقلیت کی دوگونہ کشش سے تمام مذاہب اور تمام فلسفوں پر غالب آ کر نوعِ بشر کو متحد کر سکتا ہے اور نصب العینوں کی جنگ کو ختم کر سکتا ہے۔ حال ہی میں لندن کے اخبار "ٹائمز" نے یورپ میں فلسفۂ اشتراکیت کی بڑھتی ہوئی ہردلعزیزی کے خلاف مارشل پلین کی ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ایک جھوٹے مذہب کی روک تھام بالآخر ایک سچا مذہب ہی کر سکتا ہے، لیکن آج دنیا اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتی کہ ایک سچے مذہب کا معیار ایک سچی عقلیت ہی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اگر دنیا کا کوئی فلسفہ نوعِ بشر کی اس ضرورت کو پورا کر سکتا ہے تو وہ "اُمّ الکتاب" یا اساسیاتِ اسلام ہی کا فلسفہ ہو سکتا ہے۔ للذا وہ نصب العینوں کے فلسفہ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم اس فلسفہ کو اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کے لئے کام میں لائیں تو یقیناً ہم پائیں گے کہ نوعِ بشر اسے قبول کرنے کے لئے تیار رہے۔ ○○

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

تعارف کتب

"تحریک پاکستان"

تالیف : پروفیسر محمد اسلم

پبلشرز : میاں نوید احمد حنفی، ریاض برادرز، اردو بازار لاہور

صفحات : 480   قیمت : 150 روپے

زیر نظر کتاب تحریک پاکستان سے متعلق ہے جو پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے سابق سربراہ پروفیسر محمد اسلم نے نہایت محنت، دقت نظر اور نہایت غیر جانبدار مورخ کی حیثیت میں لکھی ہے۔ کتاب اگرچہ ہائی کلاسز کے طلباء و طالبات کے لئے ہے لیکن تاریخ کا ذوق و شوق رکھنے والے سب لوگ اس سے استفادہ کر سکتے ہیں کیونکہ پروفیسر موصوف نے تحریک پاکستان کی پوری جدوجہد کو نہایت ترتیب کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ انہوں نے کوزے میں دریا بند کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر پہلے دو ابواب میں مصنف نے تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ ہندو نہایت متعصب اور تنگ نظر قوم ہے اور انہوں نے مسلمان حکمرانوں کے ادوار میں بھی مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کئے رکھا۔ گجرات اور کشمیر میں مسلمان خواتین سے شادیاں کر رکھی تھیں اور جب بادشاہ نے سخت نوٹس لیا تو اس کے خلاف ہنگامہ کھڑا کر دیا۔

پروفیسر صاحب نے بتایا ہے کہ ایسے علاقے اور قصبے بھی ہندوؤں کی چیرہ دستیوں کا شکار تھے جو سڑکوں کے کنارے آباد تھے اور جہاں مسلمان نسبتاً مسلمان حکمرانوں سے باآسانی فریاد کر سکتے تھے لیکن دور افتادہ علاقوں میں مسلمانوں کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ مغل بادشاہ بابر کی آمد سے قبل رانا سانگا نے مسلمانوں کے روحانی مرکز اجمیر شریف کو تباہ کر کے رکھ دیا اور پورا شہر کھنڈر بن گیا جہاں درندے آنے لگے مسلمان یا تو مارے گئے یا خوف سے بھاگ گئے۔ کوئی مسلمان درگاہ اجمیر شریف پر سلام کے لئے آنے کی جرات نہ کرتا تھا۔ ہیموں بقال نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے وہ پہاڑ توڑے کہ تاریخ پناہ مانگتی ہے۔

غرضیکہ پروفیسر صاحب نے ہندوؤں کے مسلمانوں پر مظالم کے متعدد مستند واقعات بیان کئے ہیں۔ دراصل قومی حمیت کا تقاضا ہے کہ تاریخ کی ایسی کتاب لکھی جائے جس میں ہندوؤں کے تعصب، عدم رواداری، عدم تعاون اور ظلم و ستم کے واقعات کی تفصیل مستند حوالوں کے ساتھ بتائی جائے تاکہ نئی نسل کو پتہ چلے کہ ہمارے زعماء نے الگ خطۂ وطن کا مطالبہ کیوں کیا تھا؟

بہرحال پروفیسر محمد اسلم صاحب نے زیر نظر کتاب میں تاریخی اور اسلامی تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مستند مواد پیش کیا ہے اور پبلشر میاں نوید احمد حنفی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ جنہوں نے پروفیسر صاحب سے تحریک پاکستان پر مستند اور بہترین کتاب مرتب کرائی اور پھر اسے صرف ایک سال کی مدت میں شائع کر کے قوم کے نونہالوں کے سامنے پیش کر دیا۔ کتاب کے آخر میں اہم واقعات سال وار بیان کر دیئے گئے ہیں جو ان کے لئے نہایت مفید ثابت ہوں گے۔

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.